حضورؐ کا ارشاد ہے:

| | |
|---|---|
| نحن معاشر الانبیاء اُمرنا ان ننزل الناس منازلھم ونکلمھم علی قدر عقولھم | ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ان کے حسب حال جگہوں میں اتاریں اور ان کی عقل وحیثیت کے مطابق ان سے بات چیت کریں۔ |

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبیؑ کو بالعموم اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بالخصوص انداز بیان کی بے ساختگی و دل نشینی اور طرز استدلال کی وہ متانت و شہامت بخشی کہ جس سے کیا خاص و کیا عام، سب کے سب یکساں طور پر متاثر ہوئے، آپؑ پہلے تو بڑی دلیری اور بے تکلفی سے ایک ایسی غیر معمولی فضا اور ماحول قائم کر لیتے جس کی وجہ سے خواص وعوام سب آپؑ کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ پھر بالکل ہی محسوس و مانوس قسم کے مظاہر سے مترشح انتہائی صاف سادہ اور یقینی مقدمات کو ایسی فطری ترتیب سے پیش فرما دیتے جن کے نتیجے میں ان کے مقصود و مدعا کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہتا۔ آپؑ کا پیرایۂ بیان جذبات کو اپیل کرنے والا بھی ہوتا اور عقل کی قلابازیوں کی ساری راہیں مسدود کرنے والا بھی، یہی وہ حجت الٰہی تھی جو آپؑ کو اپنی قوم کے مقابلے میں اور ان پر غلبہ پانے کے لئے دی گئی تھی اور اسی کی بدولت آپ نے حق و باطل کے ہر معرکے میں برتری اور فوقیت حاصل کر لی اور یہی قرآنی ارشاد:

| | |
|---|---|
| وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ | یہ تھی ہماری دلیل جو ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے پر دی تھی ہم جس کے |

---

(تسلسل) کے بارے میں امام غزالی کی کتاب "الجام العوام عن علم الکلام" سے نقل فرماتے ہیں۔
"قرآن کے دلائل غذا کی طرح ہیں ان سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور متکلمین کے دلائل دوا کی طرح ہیں، ان سے چند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اکثر لوگ نقصان، بلکہ قرآن کے دلائل پانی کی طرح ہیں جس سے شیرخوار بچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور قوی انسان بھی اور دوسری تمام دلیلیں غذا کی طرح ہیں جن سے قوی کبھی فائدہ اٹھاتے ہیں کبھی بیمار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچتا۔"

| | |
|---|---|
| مَنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (سورۃ انعام آیت ۸۳) | درجے چاہتے ہیں بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک آپ کا پروردگار بڑا حکمت والا بڑا علم والا ہے۔ |

کا صحیح مصداق ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے صفات و کمالات کی کمیت و کیفیت کا کما حقہٗ بیان تو نہ صرف یہ کہ آسان نہیں بلکہ ممکن بھی نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دو آیات پر غور فرمائیے!

| | |
|---|---|
| اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (سورہ نحل آیات ۱۲۰، ۱۲۱) | بے شک ابراہیم علیہ السلام عبادت الٰہی میں ایک جماعت اور قوم کے بمنزلہ تھے اور یک رُخ رہنے والے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکرگزار (اللہ نے) ان کو چن |

لیا تھا اور انہیں سیدھی راہ پر ڈال دیا تھا۔

تو خلیل اللہ علیہ السلام کی جلالت شان کا حال معلوم ہوگا۔ لفظ امت نے واضح کر دیا ہے کہ آپ کی اکیلی شخصیت پوری جمعیت کے قائم مقام تھی یا جدید اصطلاح میں آپ کی ذات میں ایک ادارے کی خوبیاں مجتمع تھیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی ایک انسان کی سیرت بھی اس قدر منشعب اور عادات و خصائل اتنے متنوع ہوتے ہیں جن کا احاطہ بڑے دل گردے کی بات ہوتی ہے۔ اور پھر جب اس کی رنگارنگی، گوناگونی اور بوقلمونی ایک جماعت کے مماثل ہو تو کس کی ہمت اور اور حوصلہ کہ اس کے استقصاء کا دعویٰ کر سکے، اسی مشابہت یا مماثلت بالامۃ سے خلیل اللہ علیہ السلام کے صفات و کمالات کی کیفیت پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ ہر صفت و کمال فرد میں اپنی ابتدائی حالت میں موجود یا زیادہ سے زیادہ وسطی شکل و صورت تک مرتقی ہوتا ہے۔ لیکن اجتماع میں دوسروں کی دیکھا دیکھی اور استعانت سے انتہا پر پہنچ جاتا ہے[1] نیز انہیں آیات میں قانتا حنیف، شاکر، مجتبیٰ اور مہتدی الی صراط مستقیم جیسے الفاظ سے سیرت ابراہیمی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے، کیفیت کے باب میں اس سے زائد کا امکان بھی موجود نہیں ہے بہر حال ان کے صفات و کمالات

---

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی کثرت کا تو یہ حال ہے

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار          گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

اور ندرت و رنگینی کا یہ عالم کہ ؎

---

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) ایک فرانسیسی مفکر "لیبان" نے "جماعتہائے انسانی کی اصول نفسیہ" پر ایک کتاب لکھی ہے مدت ہوئی اس کے اردو ترجمہ "روح الاجتماع" کے مطالعے کا اتفاق ہوا تھا۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"جماعت کے اعمال کا بیشتر حصہ کیفیات نیم شعوری کا معلول ہوتا ہے اور اس کے اعمال و انفعال میں نخاع کی تاثیر دماغ کی تاثیر سے بہت زیادہ ہوتی ہے یعنی حالتِ اجتماع میں افراد پر بجائے کیفیتِ شعوری کے نیم شعوری کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ خصوصیت ایسی ہے جس میں جماعت کے ساتھ وحشی انسان اور ناقص الشعور افراد بھی شریک ہیں اس بنا پر وہ افعال جو جماعت سے صادر ہوتے ہیں بعض اوقات گو تنقیدی حیثیت سے کامل ہوتے ہیں مگر چونکہ عقل کو اس کی رہنمائی میں بالکل دخل نہیں ہوتا اس لئے افراد جماعت کے دائرے میں اگر ان مؤثرات کی اطاعت کرنے لگتے ہیں جو ان کو عمل کی جانب مائل کر رہے ہوں۔ پس جماعت ہمیشہ ان مہیجات وعوامل کی قید میں مقید رہتی ہے اور ان مؤثراتِ خارجیہ کے سامنے سرنیاز جھکاتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور اس کے تقلبات اور تغیرات کا باعث ہوتے ہیں ہاں اگرچہ افراد کے حیات میں بھی اکثر یہی سانحہ پیش آتا ہے اور وہ بھی مؤثرات کے حلقے میں چاروں طرف سے گھر جاتے ہیں لیکن ان کی عقل ان کو مضرات سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ اس لئے وہ کبھی مؤثرات کے دام میں نہیں پھنستے ہیں۔ یہی بات ہے جس کی بنا پر "علم وظائف اعضاء" کے ماہرین نے کلیہ قائم کیا ہے کہ افراد اپنے اعصاب کو قابو میں رکھ سکتے ہیں اور جماعت نہیں رکھ سکتی۔"

بلاشبہ "لیبان" کی یہ تحقیق جس میں جماعت کی قوتِ عقلی کو فرد کی قوتِ عقلی سے فروتر ثابت کیا گیا ہے قرآنی تشبیہ کی اس تفسیر و تفصیل کی بھرپور تغلیط کرتی ہے جس کی بنیاد ہی فرد کی نسبت قومی جماعت کی بالاتری پر ہے۔ اس کا ایک سیدھا سادھا اور آسان ترین جواب تو یہ ہے کہ اگر لیبان یا اس کے ہمنوا کا یہ خیال صحیح ہوتا تو قرآن و حدیث میں باہمی مشاورت کی تفصیل اور اس کی تاکید ہرگز موجود نہ ہوتی حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے اور ہمارے ہاں قرآن و حدیث کی مخالفت میں لیبان یا کسی بھی بڑے سے بڑے مفکر و محقق کی کوئی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

گوان کے گلشنِ شخصیت کا کوئی پھول بھی ایسا نہیں جس کی نزہت و بہجت سے آنکھیں خیرہ نہ ہوں تاہم " فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ " کا قانون یہاں بھی نافذ العمل ہے جس کی بدولت

---

(تسلسل) بات بھی پرکاہ کی بھی وقعت نہیں رکھتی ہے یہ لوگ قطعیات کے مقابلے میں ظنیات بلکہ وہمیات تک سے استدلال کر جاتے ہیں اور طبیعت موج پر ہو تو جوشِ تحقیق میں فرضیات کو بھی مسلّمات کا درجہ دینے سے نہیں چوکتے لیکن جب لیبانی نظریئے کی تصحیح بھی ممکن ہے تو اس کی کوشش سے بھی دریغ　　ہرگز نہیں ہونی چاہیئے تاکہ ان کی علمی تحقیق اور تحقیقی محنت کی تحسین اور حوصلہ افزائی کا حق بھی ادا ہو۔

تصحیح یا تطبیق کی صورت یہ ہے کہ لیبانی تحقیق انسانی معاشرت کی اس عوامی جماعت سے متعلق ہے جس کا ہر فرد اپنی انفرادی زندگی میں فی الجملہ عقل کی رہنمائی سے محروم اور جذبات کا محکوم ہو اب اس کی دو تقریریں ہیں پہلی تقریر میں لیبان کا خیال بلاکم و کاست اور دوسرے میں تجزیے کا تھوڑی سی خامی کے ساتھ صحیح قرار پاتا ہے۔

پہلی تقریر یہ ہے کہ جبکہ اس نوع کے عوامی اجتماع کے ہر فرد میں عقل مغلوب اور جذبات غالب ہوتے ہیں اور عقل مغلوب اس تقابل میں بے عقلی یا مناظرانہ احتیاط پیشِ نظر ہو تو کم عقلی ہی تو ہے تو جمعیت کی صورت میں جہاں افراد کے جذبات میں اضافہ ہوگا وہاں ان کی بے عقلی یا کم عقلی میں اضافہ نہ ہو تو کس چیز میں ہو!

دوسری تقریر یہ ہے کہ فرد و جماعت کے عقل و جذبات میں پیش رفت کی تعداد بالکل برابر سرابر ہے اور ان کے درمیان جو نسبت فرد میں ہوتی ہے جماعت میں بھی وہی نسبت قائم رہتی ہے چنانچہ جماعت میں جذبات کی زود افروختگی اور جلدی قابو میں نہ آنے کی وجہ ان کا غیر متناسب اضافہ ہرگز نہیں بلکہ اس کی وجہ جماعت میں جذبات کے راستے سے ان موانع کا دور ہونا ہے جو فرد میں بڑے مضبوطی سے جمے ہوئے ہوتے ہیں۔ فرد میں عقل و جذبے کا جو توازن قائم رہتا ہے وہ محض اس لئے کہ فرد جذبات کے اشتعال سے ہونے والے نقصانات کی وہ ذمّہ داری قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوتا جو اسی پر عائد ہو کر رہتی ہے۔ جماعت میں اس ذمّہ داری کا کوئی واضح تصوّر اور گہرا احساس نہیں ہوتا۔

بہرحال وجہ کچھ بھی ہو عوامی اجتماع کی یہ کمزوری بالکل مسلّم ہے جس کی لیبان نے نشاندہی کی ہے۔ لیکن اگر اجتماع ان لوگوں کا ہو جن کو اپنی انفرادی زندگی میں جذبات پر قابو حاصل ہوتا ہے یعنی ان کی عقل جذبات پر غالب ہوتی ہے تو جتنی جتنی جماعت بڑھے گی اتنی اتنی اس کی عقل و قوّت میں ترقی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے محض بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخاب کا کوئی تصوّر نہیں دیا ہے بلکہ فقط اہلِ حل و عقد ہی کی رائے کا اعتبار ہی کیا ہے۔ اکثر معترضین اور مستغربین ابھی تک اس کو اسلام کی ایک وجہِ تنقیص خیال کرتے رہے مگر اب انہی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

ان کی مختلف خصوصیات میں باہمی فرق و تفاوت کا اقرار کئے بغیر رہا نہیں جاتا لیکن ان کی کس صفت و کمال کو دوسرے صفات سے بڑھ کر امتیاز حاصل ہے ؟ اس میں قطعیت کے ساتھ کوئی تعیین ممکن نہیں البتہ گمانِ غالب یہی ہے کہ انکی وہ علی الاطلاق تفویض و سپردگی جس کا چہرۂ روشن کسی قید و تخصیص سے داغدار نہ تھا وہی اس برتری کی سزاوار ہے۔

حق تعالیٰ کی جانب سے اپنی تمام تر مرضیات سے بیک وقت و یکسر دست برداری کا حکم صادر ہوا تو آپ نے بلا تأمل اپنی ہمہ وقتی اور ہمہ جہتی اطاعت و فرمانبرداری کا اعلان فرمایا۔ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ اور خلیل اللہ علیہ السلام کے اس مکالمے اور عہد و میثاق کو اپنے مخصوص معجزانہ پیرایۂ بیان میں یوں ذکر فرمایا۔

| | |
|---|---|
| اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ | اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) |
| اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ | جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ |

(سورۃ البقرہ آیت ۱۳۱)

---

(تسلسل) بعض حلقے عوامی جمہوریت کے خلاف آواز اٹھانے لگے ہیں اور تو اور دنیا کے سب سے بڑے اور مرکزی ادارے اقوام متحدہ کی ثقافتی مجلس "یونیسکو" کی اس تحقیقاتی رپورٹ میں جس کو دنیا بھر کے مفکرین نے مرتب کیا ہے جمہوریت کی ان الفاظ میں تعریف کی گئی ہے :

"یہ لفظ مہمل ہے۔ اس کا مفہوم متعین نہ ہو سکا دورِ حاضر میں جمہوریت سے مہمل اور کوئی لفظ نہیں۔"

Democracy in world of nations, p. 64.

اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی کتاب "میری کہانی" میں جمہوریت کی غرض و غایت کی کیا اچھی تشریح کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

"دراصل جمہوری حکومت کے معنی یہ ہیں کہ اکثریت اقلیت کو ڈرا کر اور دھمکا کر اپنے قابو میں کر لیتی ہے۔"

مغربی جمہوریت کی بابت شاعرِ مشرق کے یہ اشعار کس قدر معنی خیز اور مبنی بر حقیقت ہیں۔

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں ۔۔۔ بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

حکمبردار ہو جاؤ وہ بولے میں حکمبردار ہوں
سارے جہان کے پروردگار کا۔

پھر انہوں نے اس وعدے کو کس حد تک نبھایا؟ اور اس راستے کی مشکلات میں صبر و ثبات اور وفاداری و جاں نثاری کے کیا کیا نمونے قائم کئے اس کی تفصیلات تو اسی کتاب کے تیسرے باب کا اصل موضوع ہیں۔ اجمالی طور پر مندرجہ ذیل آیات سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ — اور ابراہیمؑ کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے اپنے کو احمق بنا لیا ہو۔
(سورۃ بقرہ آیت ۱۲۰)

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى — اور ابراہیم کے بھی جنہوں نے (احکام کی) پوری بجا آوری کی۔
(سورۃ نجم آیت ۳۷)

یعنی حق تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمؑ سے اعراض کو نری حماقت اور بے وقوفی قرار دیا ہے کہ وہ تو اسی تسلیم و رضا کا دوسرا نام ہے جس کی بنیاد و اساس پر ابراہیمؑ کی عملی زندگی استوار تھی، نہیں تو فقط قول بلا عمل سے اعراض پر اتنی تقبیح و تشنیع چہ معنی دارد! پھر وفّٰی کی توصیف سے صبر و ثبات کا جو اعلیٰ تصور دیا گیا ہے وہ فکر و عمل کی کسی معمولی سی کوتاہی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔
(جاری ہے)

---

## بقیہ: اسلام کو حکمائے عصرِ حاضر کے تین چیلنج

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال!
وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خاک نشین بندۂ مسکین
یوسف سلیم چشتی الحسینی

لاہور
۱۶ راکتوبر ۱۹۶۳ء

مولانا محمد طاسین

# مضاربت کی حقیقت اور شرعی حیثیت

قسط (۲)

**کیا وہ معاملہ مضاربت تھا جو نبوّت سے پہلے رسول اللہ اور حضرتِ خدیجہؓ کے مابین طے پایا!**

مضاربت کے متعلق جو آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں ان کو نقل کرنے اور ان پر بحث کرنے سے پہلے میں اس روایت کا ذکر کر دینا مناسب اور مفید سمجھتا ہوں جس کا تعلق اس معاشی معاملے سے ہے جو اعلانِ نبوّت سے تقریباً پندرہ برس پہلے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے درمیان طے پایا تھا کیونکہ اس روایت کو مضاربت کے جواز میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کے متعلق اچھے اچھے علماءِ کرام بھی عجیب غلط فہمی میں مبتلا ہیں

یہ روایت طبقات ابنِ سعد، سیرت ابنِ ہشام، زرقانی شرح المواہب، عیون الاثر لابن سید الناس، سیرت الحلبیہ، دلائل النبوۃ لابن نعیم، خصائص الکبریٰ للسیوطی، سیرۃ النبویہ لابن کثیر، امتاع الاسماع للمقریزی، تاریخ طبری اور تاریخ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر وغیرہ میں مختلف سندوں کے ساتھ مذکور ہے اور اس کے الفاظ میں شدید اختلاف ہے۔ ذیل میں اس کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیے: طبقات الکبیر لابن سعد میں ہے:

(۱) عن نفيسة بنت منية اخت يعلى بن منية قالت لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم خمسا وعشرين سنة قال له ابوطالب انا رجل لا مال لى وقد اشتد الزمان علينا وهذه عير قومك، وقد حضر خروجها الى الشام، وخديجة بنت خويلد تبعث رجالا من قومك فى عيراتها، فلو جئتها فعرضت نفسك عليها لاسرعت

الیك، وبلغ خدیجۃ ما کان من محاورۃ عمہ لہ فارسلت الیہ فی ذلك وقالت لہ انا اعطیك ضعف ما اعطی رجلا من قومك.

(ص ۸۲، ۸۳ - ج ۱- طبقات ابن سعد)

(ترجمہ) نفیسہ بنت منیہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک جب پچیس سال تھی تو ان سے ان کے مربی چچا ابوطالب نے فرمایا کہ شدید قحط سالی کی وجہ سے میرے پاس کوئی مال نہیں رہا۔ نادار ہوگیا ہوں۔ اور ادھر آپ کی قوم کا قافلہ شام جانے کے لئے تیار ہے اور خدیجہؓ بنت خویلد آپ کی قوم کے کچھ لوگوں کو اپنے قافلوں میں بھیج رہی ہے۔ اگر آپ اس کے پاس جائیں اور اس کو اپنے متعلق کہیں تو فوراً آپ کو بھیجنے کے لئے تیار ہوجائے گی' چچا بھتیجے کی اس بات کا جب حضرت خدیجہؓ کو علم ہوا تو اس نے اس بارے میں آنحضرتؐ سے فرمایا کہ اگر آپ میرے تجارتی قافلے میں شام جائیں تو میں آپ کو اس کا دوگنا دوں گی جو میں آپ کے قوم کے کسی دوسرے شخص کو دیتی ہوں۔

(۲) عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل قال قال ابوطالب یا ابن اخ قد بلغنی ان خدیجۃ استأجرت فلانا ببکرین ولسنا نرضی لك بمثل ما اعطتہ فهل لك ان تکلمها؟ قال ما احببت، فخرج الیها فقال هل لك یا خدیجۃ ان تستأجری محمدا، فقد بلغنا انك استأجرت فلانا ببکرین ولسنا نرضی لمحمد دون اربع بکار، قال فقالت خدیجۃ لو سألت ذلك لبعید بغیض فعلنا فکیف وقد سألت لحبیب قریب۔ (ص ۸۳ ۔ ج ۱۔ طبقات ابن سعد)

(ترجمہ) عبداللہ بن محمد بن عقیل نے روایت کیا کہ حضرت ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا بھتیجے مجھے پتہ چلا ہے کہ خدیجہؓ نے فلاں آدمی کی اجرت دو جوان اونٹ طے کی ہے۔ جسے وہ تجارت کے سلسلہ میں شام بھیج رہی ہے اور ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ آپ کو بھی وہ اتنی ہی اجرت دے کیا آپ ان سے بات کرنا پسند کریں گے تو آنحضرتؐ نے فرمایا، میں یہ پسند نہیں کرتا، تو پھر ابوطالب خود حضرت خدیجہؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ محمدؐ کو تجارتی سفر کے لئے اجیر بنانا چاہتی ہیں اور یہ بھی کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے فلاں شخص کی اجرت دو جوان اونٹ مقرر کی ہے لیکن ہم محمدؐ کے لئے چار سے کم اونٹوں پر راضی نہ ہوں گے تو حضرت خدیجہؓ